

اصول معاشیات قرآن عزیز کی روشنی میں

یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ قرآن عزیز نے اپنی اساسی روش کے مطابق عبادات، معاشرتی معاملات، سیاسیات اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح معاشیات میں بھی صرف اسی اصول اور معجزانہ اختصار کے ساتھ اصول و کلیات کا ہی ذکر کیا ہے اور ان کی تفصیلات و تشریحات کو ارشادات نبوی (احادیث) اور ان سے مستنبط احکام (فقہ) کے حوالے کر دیا ہے۔

حق معیشت میں مساوات | معاشیات سے متعلق قرآن عزیز نے جن اساسی اصولوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں :-

(۱) رزق اور معاش کا حقیقی تعلق صرف ذات الہی سے وابستہ ہے اور وہی ہر فرد کا کفیل ہے اور اگرچہ اس کی مصلحت عام اور حکمت تام کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے اس متنوع ماحول میں رزق کے اندر تفاوت درجات پایا جائے لیکن امارت و غربت کے فطری تنوع کے باوجود یہاں ایک فرد بھی محروم المعیشت نہ رہنے پائے۔ کیونکہ اس نے حق معیشت کو سب کے لیے مساوی اور برابر رکھا ہے اور کسی کو بھی اس حق مساوات میں دخل انداز ہونے کا حق عطا نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ہر فرد کی معاشی زندگی کا کفیل ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ زمین پر چلنے والے ہر ایک جاندار کی معیشت اس کے ذمے ہے۔ اس کے لیے حسب ذیل نصوص قابل مطالعہ ہیں :-

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ
اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری

ذُقْهَا - (ہود)

اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ میں لے لی ہے۔

وَفِي السَّمَاءِ ذُقْلُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریات)

اور تمہارا ذوق اور جس شے کا تم وعدہ دیتے گئے ہو آسمان میں (یعنی اللہ تعالیٰ کے ذمہ میں) ہے۔

لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَمْلَاقٍ غَنٍّ

اور افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو نہ مار ڈالا کرو تم

نَزْكَكُمْ وَايَاكُمْ (النعام)

ہی تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی۔

وَمَنْ يَرْزُقْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

اور آسمان اور زمین سے تم کو روزی کن پہنچاتا ہے؟

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ

کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ

بے شک اللہ تعالیٰ ہی روزی دینے والا ہے، بڑی مضبوط قوت والا ہے۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَالِشَ وَمِنْ لِسْتُمْ

اور ہم نے تمہارے لیے زمین میں معیشت کے سامان بنادئے

لَهُ بَرَازِقِينَ (الحجر)

اور اُن کے لیے جن کو تم روزی نہیں دیتے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ

وہ (خدا) وہ ذات پاک ہے جس نے تمہارے لیے وہ

جَمِيعًا (البقرہ)۔

سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔

ان آیات میں بغیر کسی تخصیص کے ہر فرد بشر کو خطاب ہے اور ان کی رُوح یہ ہے کہ معیشت

اسباب معیشت خدائے تعالیٰ کے خزانہ عامرہ کی ایسی عطاء و بخشش ہے کہ جس سے فائدہ

اٹھانے کا ہر جاندار کو برابر کا حق ہے۔

اور ان آیات کی اس رُوح کی زیادہ وضاحت و صراحت حسبِ ذیل آیات کرتی ہیں :-

وَجَعَلَ فِيهَا رِوَاْسِي فَوْقَهَا وَبَلَغَ فِيهَا وَقْدَرٌ

اور رکھے اس زمین میں بوجھل پہاڑ اور برکت رکھی اس کے

فِيهَا اقْتَاتُهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سِوَاءٌ

اندر اور چار دن میں (انداز) سے رکھیں اسیں اُنکی

لِلْأَنْسِلِينَ (حم سجدہ)

خوراکیں جو برابر ہیں حاجتمندوں کے لیے۔

واللہ فضل بعضکم علی بعض فی
الرزق فما الذین فضلوا برادی
رزقہم علی ما ملکتم فیہ
سواء افسنعمۃ اللہ یجمعہ و ۵ -
اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں بڑی
دی ہے پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جنکو زیادہ روزی دگئی ہے
وہ اپنی روزی کو اپنے زیر دستوں پر لوٹا دیں حالانکہ اُس
روزی میں وہ سب کے سب برابر کے حقدار ہیں پھر کیا اللہ
کی نعمتوں کے صریح منکر نہیں ہو رہے ہیں یہ

(نخل)

ان آیات میں حق معیشت کی مساوات کا جس قدر صاف اور صریح اعلان ہے وہ آپ
اپنی مثال ہے اور اس کا انکار بد اہت و صراحت کا انکار ہے۔

اے کریمے کہ از خزانہ غیب گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ بادشمنان نظر داری
لیکن اب سوال یہ ہے کہ منشاء الہی کے اس مقصد عظیم کو پورا کون کرے اور اس
عالم اسباب میں اس کی تکمیل کس کے ذمے واجب ہے؟ تو اسلام کے نظام کا مکمل نقشہ جن
نگاہوں کے سامنے ہے وہ باسانی یہ جواب دے سکتے ہیں کہ اس "عالم تشریح" میں
یہ فریضہ نائب الہی "خلیفہ" پر عائد ہوتا ہے کہ قلم و اسلامی میں ایک فرد بھی ایسا
نہیں ہونا چاہیئے جو حق معیشت سے محروم ہو اور نہ کسی کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ
حق معیشت میں درانداز بن سکے اور جو حکومت اس منشاء الہی کو پورا نہ
کرتی ہو وہ "فاسد نظام" کی حامل اور نظام عدل سے منحرف ہے۔
چنانچہ بقرہ کی اس آیت ہوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً کی تفسیر کرتے
ہوئے شیخ الحدیث مولانا محمود الحسن صاحب ارشاد فرماتے ہیں :-

جملہ اشیاء عالم بدیل فرمان واجب الاذعان "خلق لکم ما فی الارض جمیعاً"

نَجْمُ عَوَاذِ وَادِهِمْ فِي
مِنْ وَدِينٍ وَجَعَلَ يَقُولُهُمْ
إِيَّاهَا عَلَى السَّوَاءِ -

(محلّی جلد ۶ ص ۱۵۸)

(رضی اللہ عنہ) نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس ہیں نقد و موجود
ہے وہ حاضر کرو اور پھر سب کو یکجا جمع کر کے اُن سب
میں برا بھلا تقسیم کر کے سب کی قوت لامیت کا سامان کر دیا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل
دولت کے اموال پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو
بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض کر دیا ہے پس اگر وہ مجموعے
نہجے یا معاشی معائب میں مبتلا ہوں گے وہ معنی اس لیے کہ
اہل ثروت اپنا حق ادا نہیں کرتے اور اس لیے اللہ تعالیٰ
اُن سے قیامت کے دن اُس کی باز پرس کرے گا اور اُس
کو تباہی پر اُن کو عذاب دے گا۔

یہ اور اسی قسم کی دوسری احادیث اور آیات قرآنی کو دلیل میں پیش کرتے ہوئے مشہور
محدث ابن حزم ظاہریؒ یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں :-

دور ہر ایک سبکی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے
کفیل ہوں اور اگر مال فی (بیت المال کی آمدنی) اُن غرباء کی معاشی کفالت کو پوری نہ
ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان ارباب دولت کو اس کفالت کے لیے مجبور کر سکتا ہے (یعنی
اُن کے فاضل مال سے بہ جبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے) اور اُن کی
زندگی کے اسباب کے لیے کم از کم یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے
مطابق روٹی مٹیا ہو، پہننے کے لیے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے
لباس فراہم ہو اور رہنے کے لیے ایک ایسا مکان ہو جو اُن کو بادش، گرمی، دھوپ
اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھ سکے۔

اور اگر ارباب ثروت ایسے عادل مسلم کو منظور نہ کریں اور اس پر عمل پیرا نہ ہوں تو پھر خدا کے نائب (خلیفہ) کا فرض ہے کہ وہ اسلام کے اجتماعی معاشی نظام کے مطابق ارباب ثروت کو قانوناً اس پر مجبور کرے اور اگر میت المال کا مالیہ کافی نہ ہو اور اس سے بھی قلم و خلافت میں محروم المعیشت انسان موجود رہ جائیں تو اہل دولت کے سرمایہ سے بہ جبر حاصل کر کے "حق معیشت کی مساوات" کو بروٹے کا دلائے خواہ وہ اہل دولت اپنے مال میں سے تمام "عائد شدہ مالی فوائد و حقوق" ادا کر چکے ہوں۔

✓ الحاصل قرآنی نصوص اور ان کی مؤید احادیث رسول اور ان سے مستنبط فقہی احکام یہ واضح کرتے ہیں کہ "حق معیشت کی مساوات" کا یہ نظریہ منشاء الہی کے خلاف نہیں، بلکہ عین منشاء الہی کے مطابق ہے اور یہ جدید نظریہ نہیں ہے کہ مارکسزم کی حمایت یا اس سے مرعوبیت کی بناء پر احکام اسلامی کی انوکھی تعبیر کے ذریعہ وجود میں آیا ہو بلکہ اسلام کا وہ بنیادی اور اساسی حکم ہے جو اپنے وجود سے آج تک غیر تبدیل و غیر متزلزل ہو رہا ہے اور اگر ہم نے اس کو سمجھنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی یا دوسرے انسانوں کے اختراعی معاشی نظاموں سے مرعوب ہو کر ہم نے "اسلامی معاشی نظام" کو یکسر بھلا دیا تو اس میں اپنا قصور ہے نہ کہ اسلامی نظام کے بیان کرنے والے اور اس کی اصل حقیقت سے روشناس کرانے والے کا اور یہ بھی سخت گمراہی ہے کہ ہم یہ یقین کر بیٹھے ہیں کہ غربت و امارت کا یہ ناپاک تفاوت اور ظالمانہ امتیاز جو آج ہم کو کائنات پر چھایا ہوا نظر آتا ہے خدا کا بنایا ہوا ہے بلکہ یہ فاسد نظام اس "معاشی" کے ثمرات و نتائج ہیں اور خدا کی مرضی یہ ہے کہ اس قسم کے تمام نظام ہائے فاسد کو یک قلم سوخت ہو جانا چاہیے۔

درجات معیشت اگرچہ حق معیشت میں سب مساوی ہیں لیکن درجات معیشت میں مساوی نہیں ہیں اور معیشت میں درجات کا تفاوت ایک حد تک فطری ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ سب کے لیے سامان معیشت ایک ہی طرح کا ہو لیکن یہ ضروری ہے

گویا رزق میں تفاوت درجات کی مصلحت ایک خاص قسم کی آزمائش پر مبنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک جانب غنی کو صاحب ثروت بنا کر اس سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی ثروت کو تنہا اپنی ملکیت نہ سمجھے بلکہ انفرادی ملکیت کے باوجود یہ یقین رکھے کہ وہ جس قدر زیادہ کمائے گا اسی قدر اس کی دولت پر اجتماعی حقوق زیادہ عائد ہوں گے۔ پس وہ صرف اپنے لیے نہیں کماتا بلکہ جماعت کے دوسرے افراد کے لیے بھی کماتا ہے۔

نیز یہ ذہن نشین رہے کہ درجات کا یہ تفاوت جماعت کے دوسرے افراد کو محروم المعیشت بنانے اور ذاتی اغراض کی خاطر معاشی دستبرد کرنے کے لیے نہیں ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ خدا کی نعمت (عطاء ثروت) کا جاہد (منکر) ہے۔

کیونکہ یہاں دولت و سرمایہ کا مقصد زیادہ سے زیادہ نفع بازی نہیں ہے بلکہ انفرادی حاجات و ضروریات کے ساتھ ساتھ اجتماعی حاجات و ضروریات کی تکمیل ہے۔ دوسری جانب غیر متمول سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ متمول افراد ملت کے تمول کو دیکھ کر خدا کے ساتھ کفران اور ناشکر گزاری نہ اختیار کرے اور نہ حسد و بغض کو دل میں جگہ دے بلکہ طمانیت قلب کیساتھ اپنی محقر فارغ البالی اور خوشحالی پر شاکر رہے۔ اور یا پھر عملی جدوجہد میں آگے بڑھ کر اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق ان تمام حقوق معیشت سے متمتع ہو اور غناء و دولت حاصل کرے جن کو تمام مخلوق خدا کے لیے علم اور مساوی کر دیا گیا ہے اور دوسرے افراد ملت کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں کو اپنے حاصل کردہ مال پر اسی طرح عائد کرے جس طرح حکومت الہیہ نے دوسرے ارباب دولت پر عائد کئے ہیں۔

(۳) دولت اور سرمایہ داری کے وہ اصول قطعاً ناقابل تسلیم ہیں احتکار و اکتناز کی حرمت جن میں احتکار اور اکتناز کی کوئی صورت بھی بن سکے اور ان سے دولت و کمزور پھیلنے اور تقسیم ہونے کی بجائے سمٹ کر خاص حلقوں اور مخصوص طبقوں میں محدود ہو جائے

لے۔ لفظ فارغ البالی اس لئے کہا گیا کہ اسلامی نظام حکومت میں کسی فرد کا محروم المعیشت نہ بنانا جائز ہے۔

اور اس طرح عام انسانی زندگی کو مفلوک الحال بنا دے۔ اکتنا زواحتکار کی حرمت اور انفاق کے وجوب کے لیے ذیل کی آیات قابل توجہ ہیں :-

والَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ
وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُعْطَىٰ عَلَيْهِمْ
نَارُ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ
جُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا
كُنْتُمْ تَكْنُزُونَ ۝ (توبہ)

”اور جو لوگ خزانہ بنا کر رکھتے ہیں سونے اور چاندی کو اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو جس روز کہ اس مال پر جہنم کی آگ دھکائی جائے گی۔ پھر اس سے داغی جائیگی انکی پیشانیاں، پہلو اور ان کی پیٹھ (اور کہا جائیگا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے واسطے گامزن رکھا تھا اور چکھو مزہ اپنے گامزن کرنے کا“

”فقراء مساکین، قرابت داروں اور یتیموں وغیرہ پر اللہ نے جو خرچ کر نیکیا یہ طریقہ بتایا ہے اس لیے ہے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال دولت صرف دولت مندوں ہی میں محدود ہو کر رہ جائے“

انَّمَا الْمُصَدَّقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ
الْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا
وَالْمَوْلَاةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي
الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَ
سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ
فَرِيشَةً مِّنْ اللَّهِ ۝ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ (توبہ)

”صدقات اور کسی کے لیے نہیں ہیں صرف فقیروں کے لیے اور مسکینوں کیلئے اور ان کیلئے جو صدقات کے وصول کرنے پر مامور ہیں اور ان کیلئے جن کے دلوں میں کلمہ حق کی الفت پیدا کرنی ہے اور ان کے لیے جن کی گردنیں (غلامی سے) آزاد کرنی ہیں اور قرض داروں کے لیے جو کہ قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اور اللہ کی راہ میں صرف کرنے کے لیے (یعنی مجاہدین اور اعلیٰ کلمۃ اللہ میں مصروف رہنے والوں کے لیے) اور مسافروں کے لیے یہ اللہ کی جانب سے ٹھہرائی ہوئی بات ہے اور اللہ سب کچھ جانتے والا حکمت والا ہے“

وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ (بقرة)
 وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَأَقَامُوا
 الصَّلَاةَ وَآتَاؤُا الزَّكَاةَ وَكَانُوا
 لَنَا عَابِدِينَ • (انبیاء)
 وَانْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ
 أَنْ يَأْتِيَنَّكُمْ أَحَدُ الْمَوْتِ
 (منافقون)

”اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو“
 ”اور ہم نے اُن کی جانب (انبیاء علیہم السلام کی جانب) وحی
 کی نیک کاموں کے کرنے کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ
 دینے کی اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔“
 ”اور جو ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پہلے
 ہی خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آ
 موجود ہو۔“

وَانْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا
 تَتْلُوا بآيِدِكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ط.
 (بقرة)

”اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے
 اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (یعنی انفاق فی سبیل اللہ
 سے دکن خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے)۔“

ان آیات میں اداء زکوٰۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے اور
 قرآن حکیم میں ایک بہت بڑا ذخیرہ ان ہی احکام کی ترغیب و ترہیب، ان سے متعلق احکام
 اور تفصیلات پر مبنی ہے اور ان سب کی روح یہ ہے کہ دولت و ثروت جمع و ذخیرہ
 کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف و خرچ کے لیے ہے اور اس کا مصرف ذاتی و انفرادی تعیش
 کی بجائے انفرادی و اجتماعی ضروریات کی کفالت ہے۔

اسی لیے ان آیات کی تفسیر میں ”جمہور“ کا مسلک یہ ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ اور
 دوسرے مالی فرائض ادا نہ کئے گئے ہوں تو وہ مال احتکار و اکتناز کی فہرست میں شامل اور
 ”کنز سے متعلق و عید کا مصداق ہے اور اسی قسم کی دولت و ثروت کا نام ”سرمایہ داری“
 ہے اور یہ حرام اور باطل ہے اور تباہ کر دینے کے قابل۔

اور اپنی ضروریات اور اہل و عیال کی حاجاتِ اُصلیہ اور مالی فرائض و واجبات
 لہ معارف کے موقع پر ہم نے جگہ جگہ لفظ حاجات کے ساتھ اُصلیہ کا اضافہ کیا ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ تمام
 اخراجات و مصارف نظامِ اسلامی میں غیر مستبر اور باطل ہیں جو اسکی نگاہ میں ممنوع یا حرام ہیں۔

کی اداء کے بعد بھی دولت باقی بچے تو اس کا پس انداز کرنا اگرچہ جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے کیونکہ اب اس مال پر اجتماعی حقوق عائد ہو چکے ہیں اور اب اس کو اجتماعی حاجات میں صرف ہونا چاہیے۔

اور جمہور کے خلاف حضرت ابوذر غفاریؓ اور بعض علماء اسلام اس کو بھی جمع کر کے رکھنا حرام بتاتے ہیں۔

اور ان آیاتِ زکوٰۃ و صدقات اور منع اکتناز و احتکاد کے علاوہ آیاتِ میراث اور قانونِ وراثت بھی اسی حکمت پر مبنی ہے کہ دولت و ثروت ”جمع و ذخیرہ“ کے لیے نہیں ہے بلکہ تقسیم اور پھیلنے کے لیے ہے تاکہ اس کا افادہ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو سکے۔

فاسد نظام معیشت کا انسداد اور سرمایہ و محنت میں عادلانہ توازن (۴) خرید و فروخت اور لین دین کے

معاملات میں کوئی ایسا معاملہ جائز نہیں ہے جس سے فاسد نظام معیشت بروئے کار آئے یا اس کو کسی قسم کی بھی اعانت پہنچے یا محنت اور معیشت کے لیے جائز جد و جہد بے یقینیت ہو کر رہ جائے اور اس طرح محنت اور سرمایہ کے درمیان اعتدالی اور توازن باقی نہ رہے۔ اسی لیے اس نے ربوا (سود) کے ہر قسم کے تجارتی کاروبار، قمار (جوا)، کی تمام ظاہری و خفی اقسام و اصناف، احتکاد و اکتناز کی تمام اشکال اور اسی طرح کے عقودِ فاسدہ کی دوسری تمام صورتوں کو ناجائز اور مردود قرار دیا اور معاملات کے کسی شعبہ میں بھی

لہ کان من مذہب ابی ذر رضی اللہ عنہ تحریر: اذخار ما زاد علی نفقة العیال دکان بفتی بذلک دیتھم علیہ و یا مہمہ (تفسیر ابن کثیر سورہ توبہ) ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ کا مذہب یہ تھا کہ اہل و عیال کے نفقہ سے زیادہ روپیہ جمع رکھنا قطعاً حرام ہے وہ اسی کا فتوے دیتے، اسی کی تبلیغ کرتے اور اسی کا سب کو حکم دیتے تھے۔

۲، ۳ تفصیل آگے آئے گی :-

انفرادی معیشت

معیشت اور اسبابِ معیشت کا تعلق انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی زندگی سے وابستہ ہے اور چونکہ جماعت ”جسم“ کی حیثیت رکھتی ہے اور فرد اس جسم کے ایک عضوی۔ اس لیے اجتماعی اور انفرادی شعبہ ہائے حیات کے مابین لازم و ملزوم کا رشتہ قائم ہے اور ایک کا اثر دوسرے پر پڑنا ناگزیر ہے تاہم دونوں شعبوں کی تفصیلات جدا جدا قابلِ بحث ہیں اور ان میں سے قدرتی ترتیب کے لحاظ سے پہلا نمبر انفرادی معیشت کو زیرِ بحث لانے کا ہے۔

”اسلام کے معاشی نظام“ میں فرد سے متعلق احکامِ معیشت کیا ہیں؟ عمیق نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں تین چیزیں فطری طور پر سامنے آتی ہیں:-

(۱) کیا کمائیں (۲) کیا خرچ کریں (۳) اور کس پر خرچ کریں۔

یعنی وہ کون سی آمدنی ہے جس کو جائز آمدنی کہا جاسکتا ہے؟ اور اُس آمدنی میں سے خرچ کیا کرنا چاہیئے؟ اور کس پر خرچ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اسلام نے ان تینوں فطری سوالات کو حل کرنے کے لیے ”انفرادی معیشت“ کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلے حصہ میں انسان کو جہد و جہد کی ترغیب اور کسبِ معاش کے لیے حرکت کی دعوت دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ انسان کو اپنی معاش خود اپنے ہاتھوں کی محنت سے کمانا چاہیئے کیونکہ جہود اور ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کی زندگی موت کے مراد ہے۔ اور اس کو حیات کہنا بے معنی ہے اور نہ اس طریقِ زندگی کو ”توکل“ کی زندگی کہا جاسکتا ہے اور باقی تین حصوں میں ان ہی سوالات کو حل کیا گیا ہے جو معیشت کے مسئلہ میں

فطری طور پر سامنے آتے ہیں۔

✓ کسبِ معیشت کے لیے ترغیبات | انفرادی مسائلِ معیشت میں سب سے پہلی منزل

قرآن عزیز کہتا ہے کہ ہر انسان کو اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے لیے جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ دُنیا میدانِ عمل ہے یہاں جمود و خمود موت کے مرادف ہے۔ اس کا رگاہ ہستی میں خدائے تعالیٰ نے سامانِ رزق کے ذخیرے جمع کر دیئے ہیں مگر تلاش و سعی شرط ہے :-

✓ فاذا قضیت الصلوۃ فانشرھا
فی الارض وابتغوا من فضل
اللہ - (جمہ)

”پس جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضل (رزق) کو تلاش کرو“

ان الذین تعبوا من دن دن
اللہ لا یمکنون لکم رزقا فابتغوا
عند اللہ الرزق - (عنکبوت)

”جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں ہیں سو تم تلاش کرو اللہ کے پاس سے روزی“

✓ وَاٰخَرُونَ یَضْرِبُونَ فِی الْاَرْضِ
یَلْتَمِسُونَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ -

”اور کتنے اور لوگ ہیں جو پھرتے ہیں ملک میں، اللہ تعالیٰ کے فضل (رزق) کو تلاش کرتے“ (مزل)

✓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
طلب کسب الحلال فريضة بعد
الفريضة - (۱)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کے فریضہ عبادت کے بعد (سب سے بڑا) فریضہ ہے“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنے رزق کی جدوجہد کے بغیر نیند نہ آؤ، کا نام نہ لو“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض گناہوں میں سے ایسے گناہ ہیں جن کا کفارہ صرف طلبِ معیشت کی فکر اور جدوجہد میں کاوش ہی سے ہو سکتا ہے“

”حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اپنی روزی کو زمین کے پوشیدہ خزانوں میں تلاش کرو“

”حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص بھی طلبِ رزق کی جدوجہد میں پست ہو کر نہ بیٹھ جائے“

سید مرتضیٰ زبیدی شرح احیاء العلوم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

”یعنی ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جائز احوال کا بدلہ اللہ کے بند سے حرکت و مباشرت بسبب من اسباب ۱۵
یتحصل بہ طریق الوصول الی الرزق ۱۵
اسباب معیشت میں سے کسی سبب اور وسیلہ کو ضرور اختیار کرے کہ جس سے وہ رزق کو حاصل کر سکے“

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اصابکم الفجس فلا تنوموا عن طلب الرزاقکم ۱۵

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذنوب ذنوب لا یکفرھا الا العمل فی طلب المعیشتہ ۱۵

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الطلوا الرزق فی خبايا الارض ۱۵

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لا یقع احدکم عن طلب الرزق ۱۵

کسبِ معاش کے اساسی اصول | ان آیات و احادیث اور احکامِ اسلامی کے پیشِ نظر

جب ایک شخص کسبِ معاش کے لیے قدم اٹھائے تو کیا اُس کو یہ آزادی حاصل ہے کہ اپنی معیشت کے حصول میں جو طریقہ بھی چاہے اختیار کرے؟ نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ اس انفرادی جدوجہد میں اس کو چند ایسے اصول کا پابند بنایا گیا ہے جو ”نظامِ معیشت“ کو فاسد ہونے سے بچاتے اور صاحبِ معیشت کی زندگی کو معاشی و فابہیت کے ساتھ دینی اور اخلاقی رفعت عطا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی انفرادی معیشت میں ہمیشہ دو اصول پیشِ نظر رکھے۔ ایک یہ کہ جو حاصل کیا جائے وہ ”حلال“ ہو اور دوسرے یہ کہ جن طریقوں سے حاصل کیا جائے وہ ”طیب“ ہوں۔

یا ایہا الناس کلو مما فی الارض
حلالاً طیباً و لا تتبعوا خطوات الشیطان
انہ لکم عدو مبین ہ (بقرہ)
فکلو مما رزقکم اللہ حلالاً
طیباً۔ (مائدہ)

”اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس میں سے حلال طیب کھاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیروی نہ کرو۔ بلاشبہ وہ تمہارے لیے کھلا ہوا دشمن ہے۔“

”پس اللہ نے جو کچھ تم کو رزق دیا ہے اس میں سے حلال، طیب کھاؤ۔“

یا ایہا الرسل کلو مما فی الطیبات
و اعملوا ما لای بیاتعلون
علیہ۔ (المومنون)

”اے پیغمبر تم کھاؤ پاک چیزوں سے اور عمل کرو نیک! بلاشبہ جو تم عمل کرتے ہو، میں اُس کا جاننے والا ہوں۔“

و عمل لہم الطیبات و یحرم
علیہم الخبائث۔ (اعراف)

”اور (نبی امی) حلال رکھتے ہیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور حرام کرتے ہیں خبیث چیزیں۔“

ان آیات میں حلال اور طیب ہر دو اصول کا ذکر کرتے ہوئے سخت تاکید کی گئی ہے کہ شیطان کے قدموں کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مراد یہ ہے کہ کھانے، پینے، پہننے،

اور اشیاء کے استعمال میں نیز تمام وسائل آمدنی میں ”اسلامی نظام معیشت“ کی روح یہ ہے کہ ایک ”مسلم“ کو ایسی تمام اشیاء سے بچنا چاہیئے جن کی ترکیب اُن عناصر سے کی گئی ہو جو جسمانی امراض کا مبداء بنتے اور اس کو فاسد کرنے میں ”سمیت“ کا کام کرتے ہوں اور یا قوائے حیوانی کو برا لگینے کے اور ان کو اعتدال طبعی سے نکال کر امراضِ روحانی اور اخلاقی کا باعث ہوتے ہوں اور ان اشیاء سے بھی احتراز ضروری ہے جو غرور، خود نمائی، بے جاتعیش اور جابرانہ نخوت کا سبب بن کر مساوات، اخوت اور مواصلاتِ باہمی کے رشتوں کو قطع کرتے اور خود غرمنی، ظلم اور بداخلاقی کی جانب دعوت دیتے ہوں۔ پس اگر ہمارا کسب و کسب ان پنجوں اور اوصاف سے پاک ہے تو وہ ”حلال“ ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جو شے اپنی معیشت کے لیے حاصل کی گئی ہے وہ اپنی ذات میں بھی اور حصول کے طریقوں میں بھی نفس کو پاک رکھتی اور خباثتِ نفس سے بچاتی ہو۔ نیز اس سے دوسرے افرادِ امت کے لیے معاشی منافع نہ پیدا ہوتی ہو اور ظلم و سرکشی اور معاشی دستبرد کے وہ جراثیم نہ پھیلتے ہوں کہ جن سے مذموم سرمایہ داری منسوخ پاتی اور عام انسانی دنیا کو فلاکت و مسکنت کے قعرِ ہلاکت میں ڈالتی ہو۔

پس اگر آمدنی اور وسائل آمدنی میں ان امور کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے تو اُس کو اسلامی نقطہ نظر سے ”طیب“ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ سلع و خلع نے ”حلالاً طیباً“ میں ”طیب“ کی جو تفسیریں کی ہیں، علامہ رشید رضا نے تفسیر المنار میں ان کا یہ قدر مشترک نکالا ہے :-

”طیب سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو اس لیے کہ نقصِ قرآنی نے جن اشیاء کو حرام کیا ہے اُن کی حرمت تو ذاتی ہے اور اس لیے مضطر کے علاوہ کسی حالت میں کسی کے لیے ان کا استعمال درست نہیں اور ان کے علاوہ جن اشیاء کی حرمت اُس شے کی حقیقت اور ذات میں نہیں پائی جاتی بلکہ باہر کے اسباب سے

حرم اُتی ہے ان کی ممانعت ”طیب“ کہہ کر کر دی گئی۔“

✓ پس جو شے ناحق لی گئی اور صحیح طریق کار سے حاصل نہیں کی گئی بلکہ برباد، رشوت،

جَواد، ظلم، غصب، دھوکہ، خیانت اور چوری جیسے ناپاک ذرائع سے حاصل کی گئی۔ وہ

بھی حرام ہے اس لیے کہ ”طیب“ نہیں ہے۔ پس ہر خبیث شے حرام ہے خواہ وہ خبیث

باہر کے اسباب و ذرائع سے اس میں آیا ہو اور خواہ اس کے اندر موجود ہو جیسا کہ

کھانے پینے کی چیزوں میں سڑ کر بُواؤنا اور امراض جسمانی کا سبب بننا۔

قرآن عزیز اور احادیث نبویؐ نے حلال اور طیب کے خلاف ”حرام“ کی بعض

اصناف بھی تفصیل کے ساتھ شمار کرائی ہیں اور بعض کو صرف اصولی طور پر بیان کیا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے :-

حُرْمَتُ عَلَیْکُمُ الْمِیْتَةُ وَالْمَدْمُ

وَلَحْمُ الْخَنزِیْرِ وَمَا اُھْلُ بَہِ

لْغَیْرِ اللّٰہِ وَالْمُنْخَفَّةُ وَالْمَوْقُوذَةُ

وَالْمَطْرُیَّةُ وَالنَّطْحِیَّةُ وَمَا

اَکَلَ السَّبْعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا

ذُجِجَ عَلَی النَّعْبِ وَ اَنْ

تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَمْزَکَامِ ذَکُمْ

فَسَقٌ۔

(ماۃ)

”تم پر حرام کر دیا گیا مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور

وہ جانور جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکلا

گیا ہو (یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کے نام پر چھوڑا

گیا ہو) اور گلہروڑا ہوا اور پتھر یا لٹھی سے مارا ہوا

اور اوپر سے گزر کر مارا ہوا اور دوسرے جانور کے

سینگ سے زخم کھا کر مارا ہوا اور درندے کا پھاڑا

ہوا۔ مگر یہ کہ تم نے اس کو زندگی ہی میں ذبح کر لیا

ہو اور جو بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور تم پر حرام

کر دیا گیا کہ تم پانسوں کے ذریعے جتنے بانٹویہ سب

تمہارے لیے فسق (گناہ) ہیں۔“

” بلاشبہ شراب اور حُجَا اور بُت اور پانسے ناپاکی
ہیں کارِ شیطان سے ہیں۔ پس ان سے بچو تاکہ
تم فلاح پاؤ۔“

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مردوں کو) منع فرمایا،
ریشمی لباس سے اور دیا اور قنز (موٹے ریشم) کے
لباس سے اور ریشمی کدروں پر بیٹھنے سے اور ارغوانی
رنگ سے“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس
شخص نے دنیا میں فخر و غرور کا لباس پہنا۔ اللہ تعالیٰ
اس کو قیامت میں ذلت کا لباس پہنائیں گے۔“
”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مسلمانو (مردوں
اور عورتوں) کو جائز نہیں ہے کہ سونے اور چاندی کے
برتنوں کا استعمال کرو۔“

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں ہم کو نبی اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم سونے اور چاندی کے
برتن میں پیئیں یا کھائیں اور منع فرمایا
ریشم اور دیا پہننے اور اُس کے بچھونوں پر
بیٹھنے سے“

جس انسان کا گوشت پوست ظلم اور سود سے

انما الخمر والمیسر والکمنعاب و
الاکلام رجب من عمل الشیطان
فلینبذوا لعلکم تفلحون۔ (مائدہ)
نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن
لبس الحریر والدریاج و
عن لبس القستی والمیاثر و
الحر جوان الخ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من لبس ثوب شمرق فی الدنیا البسہ
اللہ ثوب مذلة یومہ القیامۃ۔
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قال لا تشربوا فی انیۃ الذہب
والفضۃ۔

عن حذیفۃ قال نہانا النبی صلی اللہ
علیہ وسلم ان نشرب فی انیۃ الذہب
والفضۃ وان ناکل فیہا و
عن لبس الحریر والدریاج وان
یجلس علیہ۔

ایضا عبد بننت لحمہ من الرحمت

۱۰ بخاری کتاب اللباس

۱۱ رواہ النعمان التاج الجامع ج ۲ ص ۱۳۲ بخاری کتاب اللباس

والربا فالنار اولیٰ - بنا ہے تو اس جسم کے لیے جہنم کی آگ زیادہ بہتر ہے ؟

بہر حال "کسبِ معاش" میں اسلامی نظامِ معیشت یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ حلال کردہ شے "حلال" ہو "حرام" نہ ہو اور "طیب" ہو "خبیث" نہ ہو اور حلال و طیب اور حرام و خبیث کے معنی و مفہوم کی توضیح و تشریح بھی بیان کر دی گئی تاکہ ان اصول کے سمجھنے اور پیش نظر رکھنے میں کسی قسم کی دقت اور گنجلک پیدا نہ ہو۔

پس اگر ایک شخص ان تمام اساسی امور کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی معاشی زندگی میں جدوجہد کر کے "وسائلِ معاش" بہم پہنچاتا ہے تو بلاشبہ اسلامی نظامِ معیشت میں اس کی یہ کمائی "معیشتِ صالحہ" کے نام سے موسوم ہے۔

مصارف کے بنیادی اصول | کسبِ معاش کے بعد دوسرا مسئلہ صرف و خرچ کا ہے اور اس باب میں تین مسائل زیر بحث ہیں۔ ایک یہ کہ کیا خرچ کیا جائے ؟ دوسرا یہ کہ کس قدر خرچ کیا جائے ؟ اور تیسرا یہ کہ کن پر خرچ کیا جائے ؟

کیا خرچ کیا جائے ؟ اس کا جواب تو ابھی کسبِ معاش کی بحث میں دیا جا چکا یعنی ایک شخص نے حلال اور طیب سے جو کچھ کمایا ہے وہی اس کا سرمایہ معیشت ہے اور وہی اس قابل ہے کہ زندگی کی نشوونما میں کام آئے۔

اور کس قدر خرچ کیا جائے ؟ اس دوسرے سوال کا جواب قرآن عزیز نے جو کچھ دیا ہے وہ دو حصوں پر تقسیم ہے ایک کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے اس کے متعلق ارشاد ہے :-

کلوا واشربوا ولا تسرفوا (انعام) "کھاؤ اور پیو اور اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔"

ولا تبذر تبذیرا "اور فضول خرچی ہرگز نہ کرو۔۔۔۔"

ان المبدّرین کانوا اخوان (بے شبہ (اخراجات میں) حد سے تجاوز کرنے والے

دینی لٹریچر "شیطانوں کے بھائی (ہم پلیم) ہیں۔"

الشیاطین -

ان ہر دو آیات میں اپنی جائز اور حلال کمائی کے صرف کرنے کو دو شرطوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے ایک یہ کہ "اسراف" نہ ہو اور دوسری یہ کہ "تبذیر" نہ ہو۔ علامہ ماموردی اسراف اور تبذیر کے باہمی فرق پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

» کمیت یعنی مقدار خرچ میں حد سے تجاوز کرنا اسراف ہے اور یہ ثبوت ہے اُن عائد شدہ حقوق کی مقدار سے جہالت کا جو اُس کے ذمہ ہیں اور کیفیت یعنی مواقع مُرد خرچ میں حد سے تجاوز کا نام "تبذیر" ہے اور یہ شہادت ہے اُن مواقع صرف سے نادان بننے کی جو صحیح اور حق مواقع ہیں «

اور علامہ شبیر احمد عثمانی فوائد القرآن میں "تبذیر" کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر

فرماتے ہیں :-

» اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معامی

اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو اگے

چل کر تقویتِ حقوق (عائد شدہ) اور ارتکابِ حرام کا سبب بنے «

اور صاحبِ روح المعانی آیت کُلُوا مِنْ طِيبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ

کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں -

» لَا تَطْغَوْا فِيهِ « سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں

نہ کشی نہ کرو یعنی ناشکری نہ کرو اور مال کو اسراف، غرور اور خدا کے احکام کی غلاوری

اور حقوقِ واجبہ کے تلفت کا ذریعہ نہ بناؤ «

✓ الحاصل صرف و خرچ میں اسراف اور تبذیر معیشتِ فاسدہ کی علامات ہیں اسلئے "اقتصاد"

۵۹ فوائد القرآن سورۃ بنی اسرائیل ص ۳۶۸

۵۹ روح المعانی جلد ۱۵ ص ۵۹

۵۹ روح المعانی سورۃ طہ ج ۱۶ ص ۲۱۶

اور میانہ روی اختیار کرنا ضروری ہے۔ مثلاً عام حالات میں یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ غریب آمدنی سے بڑھ جائے اور پھر حاجت کے وقت دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے بلکہ حتی الامکان اس کی سعی کرنی چاہیے کہ ان تمام اجتماعی حقوق کی اداء کے ساتھ ساتھ جو غنی ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر عائد کئے ہیں اپنی اور اہل و عیال کی حاجات و ضروریات کے لیے کچھ پس انداز ہو۔ نیز یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بخل اور تقصیر کو کام میں لائے اور خود اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے عطاء الہی کے باوجود معیشت کو تنگ کرے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الاکتصاد فی النفقة نصف المعیشتہ
 ”آمد و صرف میں (میانہ روی معاشی زندگی کی خوشگواہی کا نصف حصہ ہے۔“

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 امسک علیک بعض مالک
 فہو خیر لك قلت قال امسک
 سہمی الذین یخبیر۔
 ”حضرت کعبؓ فرماتے ہیں (جب میں نے اپنے کل مال کو صدقہ کر دینے کا ارادہ کیا تو) نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اپنے مال میں سے کچھ بچا لو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے گا۔ تب میں نے عرض کیا کہ خبیر (کی زمین) میں جو میرا حصہ ہے وہ میں نے بچا لیا ہے۔“

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ان تدع ورثتک
 اغنیاء خیر من ان تدعہم
 عالۃ یتکففون الناس فی
 ایدیہم
 ”ایک مالدار شخص کے اس سوال پر کہ میں اپنا کل مال خدا کی راہ میں بذریعہ وصیت دے ڈالتا ہوں (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ورثہ کو صاحب مال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ وہ محتاج رہ جائیں اور بھیک مانگتے پھریں۔“

۱۰ بخاری باب الصدقات۔

۱۱ کنز العمال عن ابن عمرؓ

۱۲ بخاری کتاب الوصایا

(اسلئے تہائی مال میں وصیت کر دینا کافی ہے)

اور حافظ عماد الدین بن کثیر اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں :-

وہ اللہ تعالیٰ نے جب ”انفاق“ (خرچ کرنے) کا حکم دیا تو ”اسراف“ سے منع فرما دیا اور
میادِ رومی کی تلقین فرمائی جیسا کہ دوسری آیت میں بہت صراحت کے ساتھ اس کا حکم فرمایا
ہے۔ ارشاد ہے :

وَالَّذِينَ إِذَا انْفَقَوْا لَمْ يَسْمِعُوا وَاوْلَاهُمْ ”اور ایمان والے وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے
یقتروا۔ (الانبیاء)

پھر تبذیر سے نفرت دلاتے ہوئے مقرر کو شیطان کا ہمسر بنایا اور اسی قسم کی اور بھی آیات
ممانعت تبذیر میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس فرماتے
ہیں حق کے خلاف ہر قسم کے صرف و خرچ کا نام ”تبذیر“ ہے۔ اور مجاہد کہتے ہیں کہ اگر
ایک شخص نے حق کی خاطر سب کچھ خرچ کر ڈالا تو یہ اسراف نہیں ہے اور اگر اپنا تھوڑا
سامان بھی ناحق صرف کر دیا تو یہ تبذیر ہے اور قناوہ کہتے ہیں تبذیر نام ہے مال کو
اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ناحق اور فساد کے مواقع میں صرف کرنے کا۔ اور امام احمد
بروایت ہاشم حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بنی تمیم کا ایک شخص حاضر ہوا اور
عرض کیا کہ میں بُہمت مالدار ہوں اور میرے اہل و عیال بھی ہیں اور مہانداری
بھی خامی ہوتی رہتی ہے تو آپ مجھے یہ بتائیے کہ میں کس طرح خرچ کروں؟
اور اس معاملے میں کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مال سے
پہلے زکوٰۃ نکال اگر وہ زکوٰۃ کی مقدار کو پہنچتا ہے اس لیے کہ زکوٰۃ مال کو خباثت
سے پاک کر دیتی ہے اور پھر افرہاء کے ساتھ مالی صلہ رکھی کہ اور سائل، پردیسی اور
مسکین کے حقوق کی نگاہ داشت کر۔ اُس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس تمام
تفصیل کو جامع اور مختصر الفاظ میں فرما دیجئے (کہ میں اس کو دستور زندگی بنا لوں) تب

آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنا دی۔

فَاتَّذَا الْقَرْنِيَّ حَقَّهٖ وَالْمُسْلِكِينَ و ”پس ادا کرو قربت والوں کو ان کا حق اور
ابن السبیل و لا تبذر تمہارا مساکین کا اور مسافر کا اور ناحق ہرگز خرچ نہ کرو“
سائل نے یہ سن کر عرض کیا کہ میں یہ میرے لیے کافی ہے۔

اور امام رازیؒ آیت والذین اذا انفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواماً کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں :-

اسراف اور تقیر کے متعلق مفسرین نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں ان میں سے قوی تر
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ معیشت کے
معاملہ میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں نہ بے جا غلو کرتے ہیں نہ بے محل بخل برتتے
ہیں۔ اسی لیے ستر ابن عزیز میں دوسری جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح
مخاطب کیا گیا ہے :-

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً اَلْمُعْنَتِ ”اور اپنے ہاتھ کو نہ اپنی گردن کیسے ہی باندھ لو یعنی
وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ - (یعنی اسرے) بخل نہ کرو اور نہ بالکل ہی کھول دو (یعنی
اسراف نہ کرو)۔

اور آیہ ”کَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا“ میں قوام سے اعتدال اور درمیانی راہ مراد ہے
یعنی میانہ روی ان کا شعار ہے۔

اور سید محمود اوسویؒ روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :-

والظاهر ان المراد بالانفاق ما يعمد انفاقهم على انفسهم
”اور ظاہر یہ ہے کہ ”انفاق“ سے اس جگہ عام
ہے خواہ وہ ان کی اپنی ذات پر ہو اور خواہ دوسروں
پر اور قوام (توسط) ان سب صورتوں میں خیر ہے

فی کل ذلک خیر وقد اخرج
احمد والطبرانی عن ابی الدرداء
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
من نفقه الرجل رفقه فی
معیشة۔
”اور امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابو دردا سے روایت
کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
کہ کسی شخص کی دانائی و فہم زانیگی میں سے یہ بات
بھی ہے کہ وہ اپنی معیشت میں نرمی (اعتدال)
اختیار کرے۔“

✓ ان تمام حوالہ جات کا حاصل یہ ہے کہ نصوصِ قرآنی اور حدیثی ”معیشت“ میں صرف
وخرج کے متعلق یہ چند باتیں بنیادی طور پر ضرور قرار دیتی ہیں۔

تفسیر

(۱) صرف مال میں نہ ”اسراف“ درست ہے نہ ”بذیر“ اور نہ ”تقتیر“ اور تینوں
الفاظ کا مفہوم اسلامی اصطلاح کے مطابق مراد ہے نہ کہ صرف لغوی معنی کے مطابق۔
(۲) میانہ روی (اقتصاد) ہی معیشت کی عادلانہ راہ ہے اور صالح اجتماعی نظامِ معیشت
کے لیے ایک ذریعہ۔

(۳) ”فرد“ چونکہ جسمِ جماعت کا ایک عضو ہے اس لیے اس کی انفرادی آمدنی پر
اجتماعی معیشت کے حقوق بھی عائد ہیں اور جس قدر وہ کماتا ہے اُسی نسبت سے یہ حقوق
اس پر زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اس کا نام ”انفاق فی
سبیل اللہ“ ہے۔

(۴) انفرادی معیشت میں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی قوتِ لامیت اور سائر عورت
لباس اور ضرورتِ رہائش کے مطابق مکان تمام حقوق سے مقدم اور فرضِ اولین ہے
اور اس کے بعد وہ تفصیل میں جو گزشتہ صفحات میں زیرِ بحث آچکی ہیں اور جن کی
اجمالی فہرست یہ ہے۔

(الف) اگر وہ صاحبِ نصاب ہے تو سب سے پہلے صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ وغیرہ) کا ادا کرنا اس

کے ذمے فرض ہے گویا اس صورت میں اجتماعی حق انفرادی حق پر مقدم ہے۔

(ب) صدقات واجبہ کی اداء کے باوجود انفرادی مال پر کچھ اور بھی اجتماعی حقوق پائے ہیں اسی لیے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ارشاد ہے ”ذی المال حق“ ”سوی الزکوۃ“ مثلاً اگر بیت المال کا خزانہ شخص کی انفرادی معیشت کے لیے پورا نہ ہو سکے تو ”غلیفہ“ بہ جبر اہل دولت سے مال حاصل کر کے اس کی کوپرا کر سکتا ہے اگرچہ وہ ارباب دولت صدقات واجبہ کی اداء سے سبکدوش ہو چکے ہوں۔

(ج) عام انسانی حالات میں صدقات نافلہ یعنی ”حقوق ثانوی“ ایسی حالت میں ادائے جائیں کہ اپنے اور اہل و عیال کے لیے مال کا ایک حصہ محفوظ رہے تاکہ وہ مفلس و قلاش ہو کر نہ رہ جائیں۔ اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ اس کو مستقبل کے لیے اپنے اور اہل و عیال کے لیے کچھ پس انداز رکھنا مناسب ہے چنانچہ حدیث خیر الصدقین ظہر غنی“ اسی جانب مشیر ہے۔

(د) خاص حالات انسانی میں ”ایثار علی النفس“ اولیٰ اور افضل ہے یعنی اگر انسانی نفس ضبط نفس اور صبر کے درجہ کمال پر فائز ہیں تو اتفاقاً فی سبیل اللہ“ میں تمام مال کو صرف کر دینا محبوب ہے۔ چنانچہ اُمت یوثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصہ ان کو اگر ذاتی حاجت بھی ہوتی ہے تب بھی وہ (محابہ رضی اللہ عنہم) دُومروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں“ اور حدیث ابوذر غفاریؓ ”افضل الصدقة جہد من مقل“ سب سے بہترین صدقہ اس شخص کا ہے جو قلیل المال ہو کر مال کو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالتا ہے اور صدیق اکبرؓ کا ایک موقعہ پر تمام مال کو خدا کی راہ میں پیش کر دینا اس ہی مسئلہ کی جانب راہنمائی کرتے ہیں۔

اور اگر اس شرح کے دائرہ کو زیادہ تنگ کرنا ہو تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ انفرادی معیشت میں ”اقتصاد“ (میانہ روی) مطلوب ہے، اور اکتاناز“ (اجتماعی حقوق کو نظر انداز کر کے دولت کو خزانہ کرنا) اور

۱۔ مالی انفرادی حقوق اور اجتماعی حقوق کے بارے میں جو آیات اور احادیث موجود ہیں ان سب کے درمیان تناقض و تضاد کو رفع کر کے بہترین تعلیق کی شکل دی جاسکتی ہے جو ان دفعات میں مذکور ہے۔ تفصیل کے لیے فتح الباری جلد ۲ ص ۲۴۹ و ص ۲۵۰ قابل مراجعت ہے۔ :-

”احکام“ (ناجانز و وسائلِ معیشت سے مال اکٹھا کرنا) حرام اور مردود ہے اور انفرادی دولت، جماعتی دولت کے لیے ایک ذریعہ ہے نہ کہ اس کے لیے سنگِ راہ۔

”صرف مال“ کا دوسرا حصہ اجتماعی معیشت سے متعلق ہے جس کی تفصیل عنقریب آنیوالی ہے اور اس بحث کا بہت کچھ تعلق حکومت اور فرائضِ حکومت سے وابستہ ہے تاہم فرو چونکہ جماعت ہی کا ایک حصہ ہے اس لیے بلا تکلف یہ مسئلہ انفرادی معیشت میں بھی زیرِ بحث آیا اور اجمالی صورت میں مذکور ہوا۔ قرآن عزیز نے افرادِ ملت کو جبکہ جگہ اس جانب تو توجہ دلائی ہے اور نظامِ معیشت میں اس کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور زکوٰۃ و وراثت کے احکام کے علاوہ انفاق کے نام سے بہت زیادہ اس کو نمایاں کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :-

وات ذا القربىٰ حقہ والمساکین (بنی اسرائیل) اور قربات والوں اور مساکین اور مسافروں کو واہب السبیل۔

واتوا حقہ یوم حصادہ (اعراف) اور کھیتی کٹنے کے وقت اس کا حق ادا کرو۔

امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ یہ ”حق“ زکوٰۃ مفروضہ (عشر) کے علاوہ ہے۔

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (بقرہ) ”اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے کہ حاجتِ زائد مال۔“

یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین والیتیمی والمساکین وابن السبیل وما تفعلوا من خیر فان اللہ بہ علیم (بقرہ) ”وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرو، پس والدین کے لیے ہو اور قربات والوں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے اور جو نیکی بھی تم کرو بے شبہ اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔“

پہلی آیت میں ”عفو“ کے معنی بعض معاصراہلِ علم نے یہ لیے ہیں کہ اس المال خرچ نہ کرو بلکہ اس کا منافع خرچ کرو، مگر یہی کسی طرح صحیح نہیں ہیں اس لیے کہ یہاں سوال میں اس خرچ کا

ذکر ہے جو اتفاق فی سبیل اللہ سے تعلق رکھتا ہے اور دوسری آیت میں مقدار خرچ بتانے کی بجائے کن پر خرچ کیا جائے؟ اس کی تفصیل دی گئی ہے۔ پس یہ دونوں آیات یہی راہنمائی کرتی ہیں کہ یہاں نہ سوال کا یہ منشاء ہے کہ جو معاصر موصوف نے سمجھا ہے اور نہ جواب سے یہ منشاء مستنبط ہوتا ہے بلکہ اس کا صاف اور سادہ مطلب یہ ہے کہ سائل پوچھتا ہے کہ ہم کو اتفاق فی سبیل اللہ کی جو ترغیب دی جا رہی ہے تو اس سلسلے میں کس قدر خرچ کریں؟ جواب دیا جاتا ہے کہ ضروری حاجات سے زائد اگر ہے تو اس پر اتفاق کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اور دوسری آیت میں اسی سوال کا ذکر کرتے ہوئے یہ تعلیم دی گئی کہ بار بار خرچ کی نوعیت کا سوال غیر ضروری ہے کیونکہ تم کو ابھی بتایا جا چکا ہے۔ اب سوال یہ کرنا چاہیے کہ کن پر خرچ کریں اور اس کا جواب یہ ہے کہ والدین، اقرباء، مساکین وغیرہ پر خرچ کرو۔

جمہور مفسرین کا یہی مسلک ہے پس معاصر موصوف نے جو معنی بیان فرمائے ہیں وہ نہ منصوص اور منطوق ہیں اور نہ مستنبط و مستخرج کیونکہ یہاں اس کے استنباط کی گنجائش ہی نہیں ہے اور کیسے ہو سکتی ہے جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور جلیل القدر صحابہؓ کی عملی زندگی اس کے خلاف نظر آتی ہے اور وہ اس حکم کے قطعاً پابند نہیں نظر آتے بلکہ بڑے بڑے متول صحابہؓ کے مصارف کا معمول بھی اس تجدید کے دائرہ سے خارج ثابت ہوتا ہے کہ وہ راس المال کو محفوظ رکھتے اور صرف اس کے نفع ہی پر مصارف کا بار ڈالتے ہوں۔ البتہ بعض وہ صحابہؓ و تابعینؓ جو تجارت پیشہ تھے ان کا یہ معمول اسی طرح رہا ہوگا جس طرح دوسرے تاجروں کا رہتا ہے یعنی ان کا یہ عمل تجارت کے طبعی اصول کے مطابق ہوگا نہ کہ اس لیے کہ وہ قرآن عزیز کی زیرِ بحث آیت کے معنی یہ سمجھتے اور اس کو منصوص یا مستنبط حکم کی حیثیت میں یقین کرتے تھے۔

علاوہ ازیں راس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے صرف نفع پر مصارف کا بار ڈالنا اگرچہ ”اقتصاد“ کی ایک بہتر عملی شکل ہے لیکن وہ ملازمت، صنعت و حرفت،

اجارہ، کاشت کاری اور زمین داری ہر ایک شعبہ معیشت میں عملی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ پھر ایسا حکم کس طرح عام ہو سکتا، اور معیشت کے تمام شعبوں میں کیسے نافذ العمل قرار پاسکتا ہے؟

بہر حال ان آیات کے علاوہ وہ آیات بھی قابل لحاظ ہیں جن میں قرآن عزیز نے ”مومنین“ کی امتیازی خصوصیات شمار کرتے ہوئے ان کی عبادت گزاری اور پرہیزگاری کے اوصاف کے ساتھ ساتھ ”انفاق فی سبیل اللہ“ کا بھی ذکر کیا ہے اور تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان مقامات میں ”زکوٰۃ مفروضہ“ مراد نہیں ہے۔ مثلاً سورۃ الذاریات میں ارشاد ہے :-

وَبِالْمَعَادِمْ يَسْتَغْفِرُونَ وَ
فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلْمَسْأَلِ وَاللَّعْمِ
”اور صبح کے وقت وہ (مومن) اللہ سے معافی طلب کرتے
ہیں اور ان کے مالوں میں حق ہے مانگنے والوں کا اور
معاشی زندگی سے ہارے ہوؤں کا۔“
(الذاریات)

اور سورۃ المعارج میں ارشاد ہے :-

الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَواتِهِمْ دَائِمُونَ
وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ
”اور وہ جو اپنی نمازوں پر قائم ہیں اور وہ جن کے مال میں
حقہ مقرر ہے سائل کے لیے اور (معاشی زندگی سے)
ہارے ہوئے کے لیے۔“
(المعارج)

